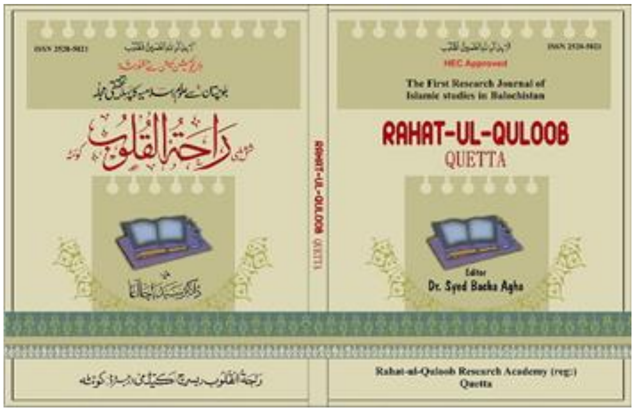

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

کم سنی کی شادی: تفہیم، تاریخ، مفاسد (طبی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی) اور عصرِ حاضر

Underage Marriage: Understanding, History, Disorders (Medically, Socially, Economically, Psychologically) and Contemporary

AUTHOR

1. Dr. Muhammad Riaz, Assistant Professor, Islamic Studies, Department of Educational Development, University of Baltistan Skarud, Pakistan
   Email: muhammad.riaz@uobs.edu.pk
2. Dr. Muhammad Hamza, Assistant Professor, Islamic Studies, University of Makuran, Panjgour, Balochistan Pakistan.

How to Cite: Dr. Muhammad Riaz, & Dr. Muhammad Hamza. (2022). URDU: کم سنی کی شادی: تفہیم، تاریخ، مفاسد (طبی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی) اور عصرِ حاضر: Underage Marriage: Understanding, History, Disorders (Medically, Socially, Economically, Psychologically) and Contemporary. *Rahat-Ul-Quloob*, *6*(2), 36-51. https://doi.org/10.51411/rahat.6.2.2022/417

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/417
Vol. 6, No.2 || July–December 2022 || URDU-Page. 36-51
Published online: 04-08-2022

QR. Code

کم سنی کی شادی: تفہیم، تاریخ، مفاسد (طبی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی) اور عصرِ حاضر

Underage Marriage: Understanding, History, Disorders (Medically, Socially, Economically, Psychologically) and Contemporary

محمد ریاض[1] محمد حمزہ[2]

ABSTRACT

The evolutionary and cultural standard of human life is that it should be repeated through the process of experiments and observations. In a frozen state, neither human life nor social action can be ignited. To the extent that human problems are linked to interpretations or examined through analysis, social problems will be solved and man will have a sinful peace. The issue of "Underage Marriage" is also one of the issues related to family life, which has a lot of scope for analysis and many aspects of research are still thirsty. It is generally blamed on the Muslim community for the marriage of an Underage and it is assumed on the basis of certain evidences that the practice of promoting the marriage of a Child is more common in Islamic teachings. In view of this allegation, our research will be directed towards the Pakistani society in particular while we will also discuss the Muslim society in general. As mentioned, Muslim society is responsible for underage marriage. Opponents, especially Western intellectuals, adopt a critical tone in their scholarly material and do not consider Islamic teachings to be free from doubt. However, the general aim of Islamic teachings is to guide humanity and save the world and the hereafter. The strategy of a religion which has provided guidance to every corner of man from his private life to his collective life cannot be flawed in any respect. If, in some cases, underage marriage has been allowed, or if there is a precedent in history, then surely behind that purpose the needs and natures of humanity have been taken care of. Therefore, in this article, we will not consider the marriage of Child as an integral part of the Muslim society, at the same time we will be convinced of its legitimacy. However, this justification will not be free from modern conditions, geographical boundaries and social customs.

Keywords: Underage Marriage, History, Disorders, Contemporary.

اِنسانی زندگی کا اِرتقائی و تہذیبی معیار یہی ہے کہ اِس کو تجربات و مشاہدات کے عمل سے بار بار گزارا جائے۔ منجمد حالت میں نہ اِنسانی رہن سہن کی نُمو ہو سکتی ہے اور نہ ہی سماجیانہ عمل کو جِلا مل سکتی ہے۔ جس قدر اِنسانی مسائل کو تشریحات سے منتھی کیا جائے یا تجزیہ و تحلیل کے ذریعے پرکھا جائے اُسی قدر معاشرتی مسائل حل ہوں گے اور اِنسان کو یک گونہ سکون نصیب ہو گا۔ عائلی زندگی سے تعلق رکھنے والا مسئلہ "کم سنی کی شادی" بھی اُنہی مسائل میں سے ایک ہے جس پر تجزیہ و تحلیل کی بہت زیادہ گنجائش ہے اور تحقیق کے متعدد پہلو ابھی تک تشنہ لب ہیں۔ عام طور پر کم سنی کی شادی کا الزام مُسلم سماج پر وارد کیا جاتا ہے اور بعض قرائن کی بُنیاد پر مفروضہ قائم کیا جاتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں کم سنی کی شادی کو بڑھاوا دینے کی روش عام نظر آتی ہے۔ اِس الزام کو پیشِ نگاہ رکھتے ہوئے ہمارا تحقیقی رُخ خصوصیت کے ساتھ پاکستانی معاشرہ کی طرف

ہو گا جبکہ عمومی طور پر ہم مسلم معاشرہ کو بھی زیرِ بحث لائیں گے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ کمسنی کی شادی کے حوالے سے مسلم معاشرہ ملتزم ہے۔ اغیار خاص کر مغربی دانشور اپنے علمی مواد میں تنقیدی لب و لہجے اختیار کرتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو شکوک و شبہات سے مُبرّا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کا عمومی منشاء انسانیت کی رہنمائی اور نجاتِ دنیاو اُخروی ہے۔ جس دین نے انسان کی نجی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک ہر گوشہ کی رہنمائی فراہم کی ہو اُس دین کی حکمت عملی کسی بھی پہلو سے ناقص نہیں ہو سکتی۔ اگر بعض موارد میں کم سن کی شادی کی رُخصت دی گئی ہے یا تاریخ میں کوئی مثال موجود ہے تو یقیناً اُس مقصد کے پسِ پردہ بھی انسانیت کی ضرورتوں اور فطرتوں کا خیال رکھا گیا ہے، لہٰذا مقالہ ہٰذا میں ہم کم سنی کی شادی کو مسلم معاشرہ کا جزو لاینفک نہیں سمجھیں گے، ساتھ ہی خصوصیت کے اِس کے جواز کے قائل بھی رہیں گے۔ تاہم یہ جواز جدید حالات، جغرافیائی حدود و قیود اور معاشرتی رسومات سے مُبرّا نہیں ہو گا۔

مفروضات:

اول: کم سنی کی شادی کی وجوہات اور مُعاشرہ میں رائج اِس عمل پر تنقیدی نگاہ، اس پہلو کے ذریعے واضح کیا جائے گا کہ کم سنی کی شادی کی کئی وجوہات کے علاوہ مذہبی تعلیمات کی کم فہمی اور سماجی رِیت پر اَن دیکھا اعتماد بھی ہے۔ لوگوں کا اعتقاد اِس قدر جاذب نظر ہوتا ہے کہ عقلی و منطقی دلائل قابلِ قبول ہونے کے بجائے سطحیات پر عمل پیرا ہونے کی روش عام ہے۔

دوم: کم سنی کی شادی کی تاریخ اور ہمارا تجزیاتی ادراک، اس پہلو سے نشاندہی کی جائے گی کہ کم سنی کی شادی ماضی قریب کا مسئلہ نہیں بلکہ ازل سے ہی اِنسانی (خاص کر مردوں) زندگی کا اہم موضوع رہا ہے۔ مرد و عورت کے میل جول کے نتیجے میں منصہ شہود میں آنے والے سماج میں جہاں ایک مرد اپنی خواہشات کا غلام رہا ہے وہی ایک عورت (جو ابھی سنِ بلوغت کو بھی عبور نہیں کر پائی ہے) اپنے ناکردہ گناہوں کی سزاء سے گزرتی رہی ہے۔ اِس پہلو سے بحث کرنے کے بعد ہم اِس حد تک جان سکیں گے کہ کم سنی کی شادی کل پرسوں کی رسم نہیں بلکہ طولِ تاریخ میں یہ عمل اِنسانی زندگی میں بار بار دُہرایا جاتا رہا ہے، یہاں تک کہ عصر حاضر میں اِس کی شبیہ پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے۔

سوم: کم سنی کی شادی کے عوارض و مفاسد، اِس پہلو کے ذریعے واضح ہو جائے گا کہ کم عمری کی شادی سے مرد و عورت (لڑکا، لڑکی) کے درمیان ذہنی ہم آہنگی میں فُقدان کے علاوہ تین قسم کے مسائل پیدا ہوں گے:

(الف) یہ کہ میاں بیوی دونوں سماجیانہ عمل میں برابری نہیں کر سکیں گے۔

(ب) یہ کہ میاں بیوی دونوں معاشی اعتبار سے خوشحال نہیں ہوں گے، ایک طرف کم عمری کا روگ ہو گا تو دوسری طرف ذمہ داریوں کی ایک لمبی فہرست دروازے پر دستک دے رہی ہو گی۔ ایسی صورتِ حال میں نہ روزگار کمانے کا خیال ہو گا اور نہ ہی تلاشِ معاش کی فکر ہو گی۔ نتیجتاً دونوں صنفوں میں سے کوئی ایک ناکارہ فرد کی صورت میں نمودار ہو گا۔

(پ) یہ کہ کم سنی کی شادی کے شکار میاں بیوی نفسیاتی مسائل سے دوچار ہوں گے۔

چہارم: عصر حاضر میں کم سنی کی شادی کی مختلف شکلیں، اس پہلو سے ہم ماضی بعید کو بُنیاد بنا کر حال میں جاری رسم (کم عمری کی شادی) پر تنقید کریں گے اور بتائیں گے کہ اِنسانی سماج جس قدر علوم و فنون اور ٹیکنالوجی کے قریب ہوتا جا رہا ہے، اُسی قدر اِنسانیت کو روندتے ہوئے

مادیت پرستی کا شکار ہو چکا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جنسی روش کے طریقہ کار میں کوئی تبدُل و تغیرُّ واقع نہیں ہوا۔ آج بھی مرد کی جبلت عورت کے بارے میں حریصانہ مزاج سے مبرّا نہیں ہے۔ بعید نہیں کہ کم سنی کی شادی میں یہ حریصانہ عمل کار فرما ہو۔

اُمید ہے کہ مندرجہ بالا نِکات کے نتیجے میں ایک جاندار بحث قائم ہو گی اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے والے حضرات کیلئے متعدد دریچے کُھل جائیں گے۔ البتہ یہاں پر ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ معاشرتی ساخت اور اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل اِنسانی فکر و مشاہدات کے قریبی ہدف ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اِنسانیت سے متعلق مسائل کو گہری تحقیق سے گزارنے کی روش صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ موضوعِ ضمن میں اگرچہ ہماری بحث جامع ہو گی لیکن بعض پہلو سے یہ موضوع پھر بھی مرتکزِ نگاہ نہیں رہ سکے گا۔ اِس لئے کہ آج تک ہر موضوع کاملِ تحقیق کی منزل تک پہنچ سکا ہے اور نہ ہی علم و فن کی روش سے یہ ممکن ہے چہ جائیکہ کمسنی کی شادی جیسا وسیع اور جامع موضوع ہماری کوشش سے پایہ تکمیل تک پہنچے۔ لہٰذا اہم گہری تحقیق کے نتیجے میں کسی ہدف تک پہنچ بھی جائیں تو متعدد پہلو پھر بھی تحقیق کی راہ تک رہے ہوں گے۔ اَمر واقعہ یہی ہو گا کہ نئے محققین کچھ نئے پہلوؤں کے ساتھ تحقیق کی نئی چھاپ رکھیں گے اور موضوعِ ضمن میں بعض دیگر مفروضات قائم کریں گے اور یقیناً وہ مفروضات معاشرتی ساخت خاص طور پر عائلی معاملات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

تعارف:

سماجی معاملات اور انسانی خیالات کو نُمو تبھی ملتی ہے جب اجتماعی طور پر غور و فکر کا ماحول پروان چڑھے۔ جو سماج باہمی اظہارِ ہمدردی سے عاری ہو اور جہاں مسائل کے دیرپا حل کی طرف پیش قدمی نہ ہو وہاں انارکی اور انتشارِ عمل کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ ایک مسلم معاشرہ ہونے کے ناطے پاکستان میں دو روشیں واضح نظر آتی ہیں:

اول: زندگی کے ہر شعبے میں مذہب کا بے دریغ استعمال، کم سنی کی شادی اور سنِ بلوغت سے قبل ازدواجی معاملات کی طرف پیشِ قدمی اِس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ سماج کے ایک طبقہ نے بعض تاریخی واقعات کو بُنیاد بنا کر اِس عمل (کم سنی کی شادی) کی انجام دہی کا جواز تو ڈھونڈ لیا، لیکن اِن چیدہ چیدہ واقعات کے ظہور پذیر ہونے میں کون سے مقاصد پوشیدہ تھے، یہ گہرائی کے ساتھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ پاکستانی مُعاشرہ مذہبی اعتبار سے جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ غیر شعوری کیفیت کا شکار ہو چکا ہے۔ محققین کا دعویٰ اِس لئے قابلِ قبول ہے کہ پاکستانی سماج نے مذہبی طور پر جذباتی ہونا تو سیکھ لیا لیکن عملی طور پر اُس مذہب (دینِ اسلام) کا حقیقی پیروکار نہ بن سکا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی معاشرے میں سب سے زیادہ ذکر مذہب کا ہے اور یہ معاشرہ سب سے زیادہ کم فہمی اور ناسمجھی کا شکار بھی مذہب کے حوالے سے ہے۔ ایسی صورت حال میں کم سنی کی شادی سمیت دیگر سماجی معاملات کو اپنی فہم و فراست کے مطابق جواز یا عدم جواز کی راہ پر چلانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

دوم: تفکر و تخیل سے زیادہ فی الفور فیصلہ سازی کا عنصر، جیسا کہ عام روایت ہے کہ ہمارے سماج کا عمومی رویہ رواداری سے زیادہ جارحانہ عمل کا منبع بنتا جا رہا ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر اس قدر جذباتی بن جاتے ہیں کہ مدِ مقابل میں بیٹھا شخص چٹکی میں مسلنے کا ارادہ ساعتوں میں بن جاتا ہے۔ یعنی فی الفور فیصلہ سازی کا چلن عام ہے۔ نہ غور و فکر کی فرصت ہے نہ مدمقابل کو موقع فراہم کرنے کی اخلاقی جُرأت، اپنے تئیں گمان کر لیا کہ جو بھی فیصلہ کیا گیا وہ حق بجانب ہے۔ اس قسم کی روشوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی سماج جذباتی ہے، عقلی و منطقی

دلیلوں کا اِظہار شاید کہ وقت کے ضیاع کا شاخسانہ قرار پا چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ دیگر اقوام سے زیادہ ہم میں مذہبی سمجھ بوجھ ہے؟ یہ سوال در حقیقت وہ حقیقت ہے جس کا ادراک رکھنا اور تفصیلی تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ محققین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سماج کو پھر سے تجزیاتی عمل سے گزارا جائے، خاص طور پر عائلی زندگی جو معاشرتی بُنیاد اور بقاء کی اہم وجہ ہے، کے حوالے سے گہری تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ محققین کا عائلی زندگی سے مراد کم سنی کی شادی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس سماج کی آبیاری کے لئے مرد و عورت دونوں کی موجودگی لازم ہے وہاں کسی ایک صنف کو مشکلات و مسائل سے دوچار ہونا پڑے تو یقیناً معاشرتی ساخت بگڑ جائے گی اور وہ معاشرہ پھر سے اِنتشار واِفتراق کا شکار ہو گا۔ محققین کا دعویٰ ہے کہ سماج کی کمزور بنیادیں اِس لئے پختہ نہیں ہو رہی ہیں کہ اِس کے دو اہم ستون (مرد و عورت) ازدواجی معاملات میں غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہیں۔ اِس کی اہم وجہ اِس تحقیق کے ضمن میں کم سنی کی شادی بھی ہے۔ مزید تفصیلی کے لئے اصلِ متن کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

کم سنی کی شادی کا مفہوم:

عمومی طور پر کم سنی کی شادی کا اِطلاق اُس عمل پر ہو گا جس میں مرد و عورت (لڑکا لڑکی) دونوں بلوغ، شعور اور خود مختاری جیسے عناصر سے عاری ہوں۔ یعنی لڑکا اور لڑکی اپنے بُرے بھلے کو سمجھنے سے قاصر ہوں اور وہ دونوں فیصلہ سازی کی قوت نہ رکھتے ہوں۔ ایک تیسرے فریق (ماں باپ یا ولی) کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے بالارادہ یا بلا ارادہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا عمل کم سنی کی شادی کہلائے گا۔ بالارادہ اور بلا ارادہ سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں عمر کے اعتبار سے پختہ نہیں ہوتے۔ وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو اُن کو اُن کے بڑے سکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جائز و ناجائز اُمور میں بھی وہ اپنے بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔ شادی یا رشتہ ازدواج چونکہ معاشرہ کا لازمی جزو ہے۔ اِس سماجی عمل کے بارے میں وہ کم عمری سے ہی لاشعوری طور پر باخبر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں جب لڑکا اور لڑکی کے دماغ میں ایک بات بیٹھا دی جاتی ہے کہ تم نے فلاں لڑکے یا لڑکی کے ساتھ شادی کرنی ہے، تو وہ لڑکی یا لڑکا شعور، فہم و فراست اور عقلی اعتبار سے فیصلہ کرنے کے بجائے ماں باپ یا ولی کے حکم نامے کا ہدف ہوتا ہے۔ اُس کو انکار یا بغاوت جیسے اعمال سے آشنائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس کو مذہبی اور سماجی اعتبار سے پابند کیا گیا ہے کہ تمہاری زندگی اور فیصلوں کا مالک کوئی اور ہے، وہی فیصلہ کرے گا کہ تمہارا نباہ کس سے ہونا ہے اور کس عمر میں کس کیفیت میں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فقہی اور احادیث کی کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ:

”قال یا یجبر علی النکاح الا الابُ۔۔اذا انکح الرجل ابنه وھوا صغیر فنکاحه جائز ولا طلاق له۔“[1]

ترجمہ: نکاح پر باپ کے سواء کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح کرا دیا تو نکاح جائز ہے اور اس بچے کے پاس طلاق کا حق نہیں ہو گا۔“

سطور بالا میں ہم نے بیان کیا تھا کہ ماں باپ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کم عمری میں ہی شادی کیلئے رضامند ہونا کم عمری کی شادی کی ایک قسم ہے۔ دوسری جانب معاشرے میں بعض اوقات ماں باپ کی رضامندی کے بغیر اور اُن کے زور زبردستی سے ہٹ کر بھی لڑکا لڑکی شادی کا فیصلہ کر بیٹھتے ہیں۔ یا رسم و رواج کے اسیر معاشروں میں کم سن بچی کا نکاح ساٹھ، ستر سال کے بزرگ کے ساتھ طے کی جاتی ہے۔ یہ نکاح ونی جیسے قبیح الحرکت فعل کی انجام دہی کے لئے کیا جاتا ہے۔[2] بعض علاقوں میں بعوضِ رقم یا دولت کم سنی بچیوں کا نکاح ضعیف مردوں کے

ساتھ کرنا اب بھی عام رواج ہے۔ یہ عمل خصوصیت کے ساتھ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں جاری ہے۔[3] لہٰذا کم سنی کی شادی کا عمومی اطلاق اُن تمام موارد پر کیا جائے گا جس میں ماں باپ کی رضامندی کے ساتھ، اُن کی رضامندی کے بغیر یا رسم ورواج کے پسِ منظر میں کیا گیا فیصلہ ہو، سب شامل ہیں۔ بعض محققین کے نزدیک کم سنی کی شادی میں ماں باپ یا ولی کا اختیار نابالغ خاص طور پر نابالغہ کے لئے پیچیدگیاں پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً جدید حالات کے تناظر میں اور بعض علاقوں میں نابالغہ کیساتھ جو ظلمانہ سلوک کیا جاتا ہے اُس کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ میں از سرِ نو غور کرنا مناسب اور جدید حالات کے مطابق تحقیق ہو گی۔[4] یہ ادعا مزید بحث کا متقاضی ہے۔ ہم وقتِ محل تفصیلی گفتگو کریں گے، یہاں پر ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کم سنی کی شادی عمومی طور پر سماج میں پیچیدگی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ دو ایسے اشخاص (میاں بیوی) جو ابھی شعور کی منزل عبور بھی نہیں کر سکے ہیں اُنہیں سماج کی بھاری ذمہ داری سے آشنا کرنا، پھر عائلی زندگی کی طرف رغبت دلانا بذات خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔

اب ہم زیرِ بحث عنوان کی مناسبت سے ان تینوں عناصر (بلوغ، شعور، خود مختاری) کی وضاحت کریں گے اور بعد ازاں سطور بالا میں ذکر کئے گئے چار اُمور کو علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔ جیسا کہ اہلِ علم حضرات معتقد ہیں کہ بلوغت کی عمر حدِ اقل کے اعتبار سے پندرہ سال ہے۔[5] عمر کا یہ تعین دو صورتوں سے خالی نہیں۔ اول: ریاستی قوانین اور سماجیانہ رسم ورواج کی روسے لڑکی کی عمر کم سے کم سولہ سال اور لڑکے کی عمر 18 سال ہے۔[6] دوم: مذہبی تعلیمات میں عمر کی تعیین کے بجائے علامتِ بلوغت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے:

''وعن ابي سعيد، وابن عباس، قالا، قال رسول الله: من وُلد له ولد فليُحسن اسمه و ادبه، فاذا بلغ فليزوجه، فان بلغ ولم يزوجه فاصاب ثما؛ فانما اثمه على ابيه''[7]

ترجمہ: ابو سعید اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو وہ اس کا بہترین نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے اور جب وہ بلوغت کو پہنچے تو اس کا نکاح کرے۔ اگر بلوغت کے بعد اس کا نکاح نہیں کیا اور اس سے گناہ ہو گیا تو گناہ اس کے والد پر ہو گا۔

بلوغت کی علامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لڑکا اور لڑکی احتلام کے مرحلے سے گزریں، پندرہ سال سے زائد عمر ہو، زیرِ ناف بال اُگ چکے ہوں اور لڑکی ہونے کی صورت میں ایامِ ماہواری کی ابتداء ہو چکی ہو۔[8] بعض ماہرِ جنسیات اور جدید کلینکل تجربات کے حامل افراد کے نزدیک لڑکی بھی احتلام ہو سکتی ہے۔ البتہ لڑکیوں میں احتلام ہونے کا عمل دس سے بیس فیصد تک ہو سکتا ہے۔[9] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تعلیماتِ اسلامی میں عمر سے زیادہ جسمانی علامات و عوارض زیادہ معنی رکھتے ہیں۔ اگرچہ عمر بھی ایک عنصر ہے لیکن جسمانی خدوخال کا نمایاں ہونا ضروری اس لئے ہے کہ معاشرہ کے دو افراد (میاں بیوی) بہتر ے زندگی گزار سکیں۔ دوسری جانب بعض حدیثوں میں عُمر کی حد بھی متعین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کو پہنچ گئی اور اس نے اس کا نکاح نہ کیا، پھر اُس (لڑکی) نے کوئی گناہ کر لیا تو اس کا گناہ اسی شخص پر ہو گا یعنی باپ پر۔[10] دو الگ الگ نظریات کی موجودگی میں یہ بات تو طے ہو گئی کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے لئے عمر کی حد متعین ہے اور وہ دونوں بلوغت کی حد اُس وقت پار کر لیتے ہیں جب وہ ریاستی قوانین کے مطابق بالترتیب سولہ سال اور اٹھارہ سال ہو چکے ہوں۔ جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑکی بلوغت کی حد اُس وقت پار کر لیتی ہے جبکہ وہ بارہ سال سے تجاوز کر چکی ہو۔ البتہ برصغیر پاک وہند کی ریاست بھوپال کی

والیہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ الگ الگ عمروں کے تعین کو اعلیٰ مدتِ بلوغ و ادنیٰ مدتِ بلوغ کے زُمرے میں تقسیم کرتی ہیں، وہ رقمطراز ہیں:

"۔۔۔پندرہ برس کی عمر کو پہنچنا مرد اور عورت دونوں کے لئے اعلیٰ مدتِ بلوغ کی ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے خواہ اور علامتیں بلوغ کی ظاہر ہوں یا نہ ہوں اور ادنیٰ مدت بالغ ہونے کی مرد کے لئے بارہ برس اور عورت کے واسطے نو سال ہیں یعنی اگر اس عمر میں وہ دعویٰ بلوغ کریں اور کہیں کہ ہم بالغ ہوگئے تو ان کے قول کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔۔۔"[11]

ہر دو صورتوں میں جواز کا امکان موجود ہے۔ یعنی نو سال کی عمر سے ہی لڑکی میں بلوغت کے آثار ظاہر ہوسکتے ہیں۔ خاص طور پر زمین کے طول و عرض میں موجود مختلف ممالک کی آب و ہوا کے اعتبار سے بھی بلوغت کا معیار تعین کیا جاسکتا ہے۔ مشہور مورخ و مفسر ابن کثیر نے بلوغت ثابت ہونے کی تین علامات بتائی ہیں:

اول: خاص قسم کے خواب آنے لگے۔ دوم: پندرہ سال کی عمر ہو جائے۔ سوم: بلوغت کی زیر ناف بالوں کا نکلنا۔[12]

اہل علم حضرات کی شذرات سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی میں بعض علامات ظاہر ہونے کے بعد وہ کمسنی کی حدود سے نکل جاتے ہیں اور بلوغت کے دائرہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔ بلوغت کے آثار ظاہر ہونے کے بعد مکلف ہونے کے ساتھ سماج کی دیگر ذمہ داریوں کا بار اُن کے کاندھوں پر عائد ہوتا ہے۔ دیگر اُمور کی طرح شادی جیسی ذمہ داری اور ضرورت کے اہل بن جاتے ہیں۔ لہٰذا کم سنی کی شادی کا اِطلاق ایسے افراد پر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تعلیماتِ اسلامی اور سیرتِ محمدی ﷺ کے تناظر میں بالغ متصور ہیں اور زندگی کی گوناگوں مصروفیات کے یقینی حصہ دار ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پختہ عمر کے حامل افراد اگر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوجائیں تو پھر وہ کم سنی کی شادی کے زُمرے میں نہیں آتے۔ اُن کا شمار بالغوں میں ہوتا ہے۔ وہ اگر شادی کرلیں تو سماجی ذمہ داریاں بخوبی نبھاسکتے ہیں۔ عائلی معاملات میں اُن کو کبھی بھی سبکی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے کہ وہ بالغ و عاقل ہونے کے ساتھ ساتھ جہاندیدہ ہونے کا کامل ثبوت دیتے ہیں۔ ایسے دو افراد کہ جو عمر و علامات دونوں صورتوں میں مجوزہ حد عبور کر جاتے ہیں وہ نہ تو مسائل کے شکار ہوں گے اور نہ ہی نفسیاتی و معاشی مسائل کے ستم زدہ ہوں گے۔ اِس پوری بحث کے بعد ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ شادی شُدہ ہونے کے لئے بلوغت کی حد پھلانگنا لازمی ہے۔ اگر قبل از بلوغت نکاح یا رُخصتی کی نوبت آگئی تو پھر سماجی مسائل کے لاحق ہونے کے علاوہ نفسیاتی عوارض بھی لاحق ہوں گے۔ اگرچہ دینِ اسلام کے بنیادی منابع میں کم سنی کی شادی کا جواز موجود ہے۔ قرآن نے واضح طور پر بیان کیا ہے:

وَالّٰـئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ[13]

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے نااُمید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔

اِس آیت کا مفہوم واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو وہ کم سن بچیاں ہیں۔ سطور بالا میں ہم نے حوالہ کے طور پر بیان کیا تھا کہ عورتوں میں بلوغت کی ایک نشانی ایامِ مخصوصہ کی آمد بھی ہے۔ لہٰذا حیض سے قبل کی عورتیں نابالغ میں شمار ہوتی ہیں اور یقینی بات ہے کہ ایسی عورتوں کی شادی کم سنی کی شادی کہلائے گی۔ البتہ یہاں پر ایک سوال ضرور پیدا ہوگا کہ جو عورتیں حیض کے

عوارض میں مبتلا نہیں ہیں، یا جو مرد علاماتِ بلوغت سے مزین نہیں، اُن کی شادی کو غیر شرعی کہنا جائز ہوگا؟ قرآن کے واضح حکم کی موجودگی میں ہمارے لئے جواز تلاش قطعاً ممکن نہیں۔ البتہ سماجی اور زمانہ کے تقاضوں کے موجب کم سنی کی شادی کو غیر موزوں کے طور پر شناخت دی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب لڑکا یا لڑکی میں سے کوئی ایک فہم و فراست کے مطابق جہاندیدہ نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ کمسنی کی شادی بھی تبھی قابلِ قبول گردانی جاسکتی ہے جبکہ لڑکا اور لڑکی دونوں فہم و فراست کے اعتبار سے بلوغت کا اظہار کریں۔ جیسا کہ سطور میں بیان کیا گیا کہ کمسنی کی شادی اُن افراد پر منطبق نہیں ہوگی جو بالغ ہوں، باشعور ہوں اور خود مختار ہوں۔ ہم نے حتی الامکان بلوغت کی نشاندہی کی اور عمر کے تعین کے ساتھ علامتِ بلوغت کا بھی ذکر کیا۔

دوسرا عنصر لڑکا اور لڑکی دونوں باشعور ہوں۔ موجودہ زمانہ میں شعوریت کی اِصطلاح زیادہ تفسیر کی محتاج ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ماضی قریب میں عرب جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا، وہاں خواتین اپنی عمر سے زیادہ جسمانی خدوخال کے مطابق سماجیانہ عمل سے گزری ہوں۔ قرائن و شوائد اور تاریخی واقعات اِس ادعا کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ جیسا کہ کتبِ احادیث و تواریخ میں موجود ہے کہ جب اُم المومنین حضرت عائشہ آنحضرت ﷺ سے منسوب ہوئیں تو آپ کی عمر چھ سال تھی۔ جبکہ رُخصتی کے وقت نو سال کی ہوگئیں تھیں۔[14] دوسری جانب امام شافعی نے نسبت کی عمر سات اور رُخصتی کی عمر نو سال لکھی ہے۔[15]

مسلمان کیلئے اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اُم المومنین کی رُخصتی بظاہر کم عمری میں ہوئی لیکن اس رشتے میں جہاں مشیتِ ایزدی کارفرما تھی وہی مستقبل کے انسانوں کیلئے رہنماء اُصول بھی تھا۔ دوسری طرف یہ عمل بھی آشکار ہوا کہ انسانی فطرت کسی بھی وقت اور کسی بھی عمر میں جدید تقاضے کے مطابق ڈھل سکتی ہے اس لئے کہ اِنسانی ضرورتوں کا دائرہ ہمیشہ وسیع سے وسیع ہوتا رہا ہے۔ ماضی قریب اور آج کے انسان کی ضرورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور وہ فی البدیہہ فرق وقت سے پہلے اور ضرورت سے زیادہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ لہٰذا عصرِ جدید میں نو سال کی بچی نہ صرف سماجی اُمور کی انجام دہی میں غافل ہوسکتی ہے بلکہ ازدواجی معاملات کو بھی نہ سمجھنے کی کیفیت سے گزر سکتی ہے۔ ایسی صورت حال میں پختہ عمر اور کاملِ عقل جیسی اصناف کے پیدا ہونے تک انتظار کرنا سماج اور خود میاں بیوی کیلئے فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ یقینی بات کہ اسلام کے بانی حضرت محمد ﷺ کی سیرت میں ہر انسان کیلئے نمونہ عمل ہے۔ کم سنی کی شادی (اگرچہ بلوغت کا معیار پورا ہے) کا لازمہ بھی ہے اور بلوغت کی حد کا تعین بھی ہے۔ جب آپ ﷺ کی ذات سے منسوب دونوں پہلو ہیں تو پھر کم عمری کو جواز بنا کر شادی کے عمل کو ممتنع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عائشہ اور آنحضرت ﷺ کی شادی کو ایک معمولی واقعہ تصور نہیں کرسکتے۔ اس فعل (شادی) میں جہاں رہنمائی کے اُصول وضع ہونے تھے وہی دونوں شخصیات کی شعوریت کا بھی اظہار ہونا تھا۔ تاریخ کے اِس مسلمہ اُصول کی بنیاد پر ہم کمسنی کی شادی کے عدمِ جواز کے قائل نہیں ہوسکتے۔ فی البدیہہ مثال بھی موجود ہے اور عملی طور پر اِس مثال کا اظہار بھی ہوا۔ لہٰذا کم عمری کے باوجود اگر شعور کا عنصر غالب ہو تو وہاں کمسنی کی شادی کامیاب بھی ہوسکتی ہے اور سماج میں موجود دیگر انسانوں کیلئے رہنماء اُصول بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

تیسرے عنصر کے نتیجے میں عرض ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں خود مختار تبھی بن سکتے ہیں جب وہ بلوغت جیسے عمل سے گزریں۔ دو انسانوں کی خود مختاری کا دائرہ کئی اُمور پر محیط ہے۔ مثال کے طور پر دونوں اپنے فیصلوں میں آزاد ہوں، کماؤ پوت کے کئی پہلوؤں سے آشنا ہوں۔

اپنے بُرے بھلے کی بھرپور شناخت رکھتے ہوں۔ قطعِ نظر کہ ماں باپ نے اُن دونوں کو خود مختار زندگی گزارنے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ وہ دونوں خود مختاری کے زُمرے میں آتے ہیں اور وضعی و شرعی اِصطلاح کے ضمن میں شادی سمیت دیگر اُمور کے بلا شرکت غیر فیصلہ ساز ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں عناصر پر قدرے تفصیلی کے بعد یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موضوعِ کے چاروں پہلوؤں کو بیان کیا جائے اور عصرِ حاضر میں اُن عناصر کے عمومی اطلاق پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ عام طور پر معاشرتی ساخت اور عائلی معاملات کو تجزیہ و تحلیل سے گزارنے کیلئے مذہب یا رسومات کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ طولِ تاریخ میں یہ روایت رہی ہے کہ جہاں مذہبی معاملات کی گہری پرکھ ہوگی وہاں ہر شعبہ زندگی کو بھی افراط و تفریط سے گزرنا پڑتا ہے۔ کمسنی کی شادی یا عائلی زندگی کے خدوخال بھی اِس قانونِ عمل سے مبرا نہیں ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ازدواجی معاملات میں تغیرُّ و تبدُّل کا عنصر تو ہمیشہ سے غالب رہا ہے۔ موضوع کے ضمن میں بات کی جائے تو لا محالہ عقل کے کسی گوشے میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دو انسانوں (محرمات کے علاوہ) کا باہمی ملن اور اُن کا تعلق رومانیت کا پرتُو ہوتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ رومانیت دو ایسے اِنسانوں کے درمیان پنپ سکتی ہے جو ایک دوسرے کیلئے صنفِ مخالف کی حیثیت رکھتے ہوں۔ شاید کہ دُنیا میں کوئی دین، برادری یا قوم ہوگی کہ اُن کے ہاں اِن دونوں صنفِ مخالف کے درمیان رشتہ استوار کرنے کیلئے کوئی طریقہ کار وضع نہ ہو۔ وگرنہ ہر سماج یا مذہب میں باضابطہ طریقہ کار وضع ہے، قوانین لاگو ہیں اور ایک تہذیب و شائستگی کے دائرے میں دونوں اِنسانوں کے درمیان رشتہ اُلفت و محبت اور رومانیت قائم ہوتا ہے۔ اُس تعلق کو بعض سماج اور مذاہب میں نکاح کا نام دیا گیا۔[16] بعض سماج میں جنسِ مخالف کے تصور کو بھی جنسی ملاپ کا عمل تصور کیا گیا[17] اور بعض سماج میں جنسی تسکین کا سبب قرار دیا گیا۔[18] بہر حال مدعا کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اِنسان کا اپنے جیسے صنفِ مخالف انسان کی طرف کھینچ جانا یا اُس کی کشش کی طرف میلان رکھنا دراصل شادی یا رشتہ ازدواج کا اولین سنگِ میل تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سماج میں جاری رسومات میں شادی جہاں ایک مقدس فریضہ ہے وہی بلوغت سے قبل انجام پائی گئی شادی بھی رسوم و رواج کا حصہ بن گئی۔ بطور محقق ہمارے لئے تجزیہ و تحلیل کیلئے دونوں راستے کھلے ہیں۔ ایک راستہ وہ کہ جس میں میاں بیوی دونوں بالغ ہوں اور وہ معاشرتی قیل و قال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔ یہ عمل کسی بھی اِنسان کیلئے نامعقول نہیں، بلکہ مستحسن عمل کے طور پر دیکھا جاتا ہے دوسرا راستہ وہ ہے جو شعور و آگاہی اور معاشرتی وضع قطع سے آشنا ہونے سے قبل ہی شادی بیاہ یا جسمانی تعلق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل اِس مقالہ کا مرکز و محور بھی ثانی الذکر عنوان ہے۔ تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے والے حضرات ہزار بار سوچیں گے اور نقطہ اعتراض اُٹھائیں گے کہ جو بچہ یا بچی اپنی عمر کی پختگی کو چھو بھی نہ سکیں، اُن کے کاندھوں پر سماج کا سب سے وزنی بوجھ (عائلی معاملات) لادنا عقلمندی ہے؟ یہ سوال اپنے معیار کے مطابق اور عصرِ حاضر کے منظر نامے میں اگرچہ دُرست ہے لیکن فرامین الٰہی اور سیرتُ النبیؐ کی روشنی میں اِس کو مسترد کرنا (اگر بلوغت کی حدِ اقل نو سال ہے تو) ہمارے جیسے محقق کیلئے ممکن نہیں۔ اس لئے کہ ہم محقق بننے سے قبل اور کسی عنوان پر تجزیہ نگاری کے فرائض نبھائیں، ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ سطور بالا میں اِس جانب اشارہ کیا گیا۔ یہ تو حکم و عمل کی نشاندہی کی گئی لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی موجود ہے، کیا عقل و منطق اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ایک آٹھ سال کی بچی گھر گرہستی میں یدِ طولیٰ ہے اور وہ تمام اُمور بخوبی نبھا سکتی ہے؟ خصوصیت کے ساتھ اُن علاقوں یا خطوں میں جہاں سرد موسم غالب رہتا ہے اور گرمی کے آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ تو علماء و محققین

نے قطعی طور پر بیان کیا ہے کہ گرم علاقوں کی نسبت سرد علاقوں کے بچوں میں بلوغت کے آثار قدرِ دیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔[19] جبکہ جہاں محرم اور نامحرم کی رعایت نہ ہو وہاں بھی بلوغت جلد آجاتی ہے۔ مذہبی، پاک و پاکیزہ ماحول اور شریعت کے قوانین کے پابند اور باعفت خاندانوں میں بچے تاخیر سے بالغ ہوتے ہیں۔[20] ایسی صورت حال میں جہاں ایک بچی اپنے بُرے بھلے سمجھنے کی منزل پر نہ ہو وہاں کسی دوسرے اِنسان کا خیال رکھنا اور روزہ مرہ اُمور کو ایک ماہر کی حیثیت سے چلانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ خاص کر ایسے زمانے میں جب نوجوان نسل گھر گرہستی سیکھنے کے بجائے ذاتی معاملات کو ترجیح دیتی ہو، اُن کی زیادہ تر مصروفیات اپنی ذات سے شروع ہوتی ہوں اور خود کی ذات پر ہی اختتام پذیر ہوں وہاں کسی دوسرے انسان کی ذاتی زندگی میں داخل ہونے کے بعد اُن کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنا اور روز مرہ کے اُمور کو خوش اُسلوبی کے ساتھ حل کرنا اپنے آپ میں ایک ہنر اور کمالِ ذہانت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آج کی نئ نسل زمانے کے اُس مدار پر ہے کہ اُس کا ایک قدم نت نئ ٹیکنالوجی کے اوپر ہے اور دوسرا قدم معاشرہ خاص کر مسلم معاشرہ کی نبض ٹٹولنے کے فراق میں ہے، وہ عمل (ٹیکنالوجی اور معاشرتی نشیب و فراز) پختہ معاشرہ کی بنیاد رکھنے میں معاون ثابت ہو گا؟ ہمارا جواب قطعاً ہاں نہیں ہو گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ اپنے مدار سے زیادہ اور رفتار سے تیز تو ہے لیکن اُصول و اخلاقیات کی فراموشی بھی موجودہ معاشرہ کی خاص صفت بن گئی ہے۔ وہ بچہ جس نے اوائلِ عمر سے ہی درسِ اخلاق کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں کی وہ یقیناً ماں باپ کی کم عمری کی شادی بھینٹ چڑھ چُکا ہے یا ماں باپ نے اصلاً اُس کی جانب توجہ ہی نہیں دی۔

ہماری نگاہ میں کم سنی کی شادی کی وجوہات معاشرہ کی رسوم ورواج سے منتھی ہونے کے ساتھ ساتھ بعض دیگر عوارض پر بھی بنیاد بنتی ہیں۔ ہم یہاں پر بعض وجوہات کا ذکر کرتے ہیں اور بعد ازاں تاریخی اعتبار سے موضوعِ ہذا کی وضاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ دستورِ معاشرہ ہے کہ ازل سے ہی اِنسانی جبلتوں اور خواہشوں کی تکمیل کے لئے فطری عوارض کے بجائے مصنوعیت اور غیر معروف طرائق کا سہارا لیا گیا۔ حالانکہ مرد اور عورت دونوں کا ایک دوسرے کے لئے پُرکشش بننا اور پھر اِسی کشش کی نسبت سے ایک دوسرے کے قریب آنا ایک فطری میلان تھا۔ اس میلان میں جذباتی عمل سے زیادہ قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ نعمتِ عظیم تھی۔ یعنی کہ مرد و عورت کے طبعی میلان کے نتیجے میں نسلِ انسانیت کی بنیاد پڑ گئی اور زمین میں انسانیت کا آغاز یقیناً نعمتِ عظیم کی پہلی کڑی تھی۔ لہٰذا اولین مرد کہ جس نے اپنے صنفِ مخالف میں کشش محسوس کی ہو گی تو یقیناً اُس کشش کے پسِ پردہ بھی فطرت کا عمیق جذبہ کارفرما ہو گا، نتیجتاً اُس جذبہٗ اولین کے نتیجے میں رشتہ ازدواج کا آغاز ہوا۔[21] معلوم نہیں کہ رشتہ ازدواج کی اُس جاذبیت میں عمروں کا خیال رکھا جاتا تھا یا نہیں لیکن یہ حقیقت تو عیاں ہے کہ مرد و عورت نے ایک دوسرے کے قریب ہونے اور باہم تعلق کو قانونی جواز فراہم کرنے کا راستہ متعین کر لیا۔ خود انسانیت کے اولین بنیاد کار (اسلامی نقطہ نظر سے) حضرت آدم و حوا (علیہم السلام) کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ آدم کی خلقت کے فوراً بعد حواء کی تخلیق ہوئی اور فطری میلان کے سبب آدم نے حواء کی طرف اپنی رغبت کا اظہار کیا۔[22] تاریخ انسانیت کے اِس بنیاد کار جوڑے کی باہم نسبت کو نہ تو ہم کم عمری کی شادی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی دونوں کے باہم تعلق کو غیر فطری عمل کا نام دے سکتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ فطری میلان کو نسلِ انسانی کے لئے ضروری قرار دیتے ہوئے ہم مدعی ہیں کہ اگر اِن دونوں (آدم و حواء) کے درمیان فطری میلان نہ ہوتا تو پھر نسلِ انسانی کے ارتقاء کو منطقی جواز فراہم نہ ہوتا۔ لہٰذا اولین اِنسانوں نے نہ تو قانونِ فطرت کی نفی کی اور نہ ہی مرد و عورت کی عمروں میں زیادہ فرق کو حائل ہونے دیا۔ ہمارے اِس دعویٰ

کے ضمن میں کہا جاسکتا ہے کہ تاریخِ انسانیت میں جہاں پختہ عمر کے جوڑوں میں شادی کا رواج عام تھا بلکہ آغاز بھی اِسی طریقہ کار کے مطابق ہوا، وہی بعد کی تاریخ میں انسانی جبلتوں اور خواہشوں میں بغاوت اور عیاشی عُود کر آئی۔ انسان (مرد) نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی عمر سے بڑے اِنسانوں (صنفِ مخالف) کے ساتھ بھی رشتہ نبھایا یا بعض اوقات اپنی عمر سے دوگنی عمر کم بچیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں قباحت نہیں سمجھی۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ایک طرف یہ مردوں کی خواہش و عیاش پرستی تھی تو دوسری طرف بعض صالح مردوں اور مذہبی ذمہ داروں کی طرف سے معاشرتی ضرورتوں اور الٰہی مصلحتوں کے تحت بھی یہ اَمر انجام دیا گیا ہے۔[23] ہم نے سطور بالا میں اُم المومنین حضرت عائشہ اور آنحضرتؐ کے رشتۂ ازدواج کو بطور مثال بیان کیا ہے۔

ایک غیر جانب محقق کے لئے متعدد رائے قائم کرنے کا جواز بہر حال موجود ہے اور یہ جواز تاریخی اعتبار سے بھی ہے اور سماجی نقطہ نظر سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ تاریخی اعتبار سے حضرت آدم و حواء کے درمیان قائم رشتہ بنیاد بھی تھا اور قانونِ فطرت کے مطابق بھی تھا جبکہ سماجی اعتبار سے رائے قائم کرنے کی وجوہات اس لئے منصہ شہود میں آسکتی ہیں کہ اِنسان خود زمانہ حال کا شاہد کار ہے۔ وہ اپنے سماج میں جاری رسومات کو گہری نگاہ سے پرکھ سکتا ہے اور بعد ازاں ایک شاہد کار کی حیثیت سے اُس کا تجزیہ و تحلیل بخوبی کر سکتا ہے۔ فی زمانہ اور زمانہ ماضی کے باہم تطابق کو سامنے رکھیں تو اِنسانی جبلتوں نے آج ترقی یافتہ شکل اختیار کر لی ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا جہاں انسانی زندگی کی مبادیات وضع ہو رہی تھیں اور ایک زمانہ آج کا ہے جہاں ماضی بعید کی رسومات کی یا تو بگڑی ہوئیں شکلیں نظر آرہی ہیں یا تو ارتقائی لمحات مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ "کم سنی کی شادی" جیسا کہ عنوان سے واضح ہے کہ شریعت کی طرف سے مقررّہ حد سے قبل ہی دو انسانوں کا رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا عمل کم سنی کی شادی کہلاتا ہے۔ ہم نے بلوغت اور اِس جیسی تمثیلیں سطور بالا میں بیان کر دی ہیں اور کسی قدر واضح کرتے ہوئے قرار دیا کہ اِنسانی جبلتوں کی تشویق نے اِس عمل کو بڑھاوا دیا، تاہنوز اِس کا سلسلہ جاری ہے۔ عام طور پر مشہور نظریہ ہے کہ عورت سے زیادہ مرد خواہشِ نفسانی کا دلدادہ ہوتا ہے۔ کم سنی کی شادی سمیت دیگر ازدواجی مسائل کے پسِ پردہ کم و بیش مرد کو ہی قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔[24] ہو سکتا ہے کہ یہ نظریہ کسی قدر درست بھی ہو۔ اس لئے کہ "حاکمیت"[25] کی ذمہ داری نبھاتے نبھاتے مرد نے بعض موارد میں حدود و قیود سے تجاوز کر لیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عورت کی عائلی و سماجی زندگی مرد کے ہاتھوں یرغمال تو ہی ہے، وہ اپنے فیصلوں میں بھی آزاد نہیں۔[26] یہ الزامات جدید معروضی حالات اور مغربی تعلیم سے متاثرہ مرد و خواتین کی طرف سے لگائے جاتے ہیں، اُن کے خیال میں اِن سب وجوہات کے پسِ پردہ یقیناً مرد کی بعض خواہشات کار فرما ہیں۔ کم سنی کی شادی بھی اُن مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے جس کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم جدید معاشرتی حال و قال کو سامنے رکھتے ہوئے ایک شاہد کار کی حیثیت سے بعض وجوہات کی نشاندہی کرتے ہیں اور بعد ازاں کم سنی کی شادی کے عمومی مسائل پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔

مرد کی بے جا خواہش کی تکمیل:

کم سنی کی شادی کی طرف رغبت کا اظہار زیادہ تر مردوں کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اِنسانی نفسیات کی بنیاد پر یہ حقیقت بھی ہے کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی جنسی خواہش زیادہ ہے۔[27] ہو سکتا ہے کہ قرآنِ مجید کی طرف سے اعلان کردہ حکم کہ جو حلال عورتیں تمہیں

پسند ہوں ان سے نکاح کر سکتے ہو دو دو، تین تین، چار چار،[28] کے پس پردہ مردوں کی جنسی خواہش کی زیادتی کارفرما ہو۔ طولِ تاریخ میں مردوں کی جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لئے کئے گئے اقدامات کی لمبی فہرست بیان ہوئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ زمانہ قبل از اسلام اور برصغیر پاک و ہند کے مہاراجوں اور حکمرانوں کی نہایت رنگین و سنگین کہانیاں آج بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔[29] کم سنی کی شادی اور اِس جیسے محرکات کو بھی اُنہی تاریخی واقعات کے پسِ منظر میں دیکھنا ہوگا۔ ایک مرد کا بہت ساری خواتین کے ساتھ تعلقات یا ایک مخصوص تعداد میں خواتین کو اپنے حرم میں داخل رکھنا، دراصل جنسی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ مردوں کے اُس مزاج کا اظہار بھی ہے جس کی نشاندہی مذہبی شہ پاروں میں کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم سنی کی شادی میں بھی یہی جذبہ جنسی پوشیدہ ہے۔ البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ کم عمر خواتین کا بڑی عمر کے مردوں کی طرف التفات ایک اُبھرتا ہوا مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اِن خواتین کا بڑی عمر کے مردوں کی طرف ملتفت ہونا کسی مقصد یا لالچ کے تحت ہو۔ نفسیات کی بحث میں یہ بات تو واضح ہے کہ ایک کم عمر خاتون اپنی عمر کے دُگنے مرد سے متاثر ہوگی تو وہ خوبصورتی یا قد و قامت کے لئے نہیں ہوگی، بلکہ کئی قسم کے مقاصد اور دُنیاوی فوائد کارفرما ہوں گے۔ جبکہ دوسری طرف ادھیڑ عمر کا مرد اپنی عمر سے دو حصے کم خاتون سے شادی یا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتا ہے تو یقیناً دو ہی مقاصد کارفرما ہیں: اول یہی کہ وہ جنسی خواہشات کی ایک اور تکمیل چاہتا ہے، دوم یہ کہ وہ خوبصورتی اور جاذب نظری کا اسیر واقع ہوتا ہے۔ ان دو پہلوؤں کے علاوہ تیسری کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کم عمری کی شادی کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ مردوں کی جنسی خواہشات کا طویل سلسلہ ہے جس کی حد شاید کبھی متعین ہو سکے۔

معاشرتی رسم ورواج کی تکمیل:

کم سنی کی شادی کی ایک اہم وجہ معاشرے میں رائج رسومات کی تکمیل اور بعض اوقات مجبوری بھی ہے۔ ہم نے سطور بالا میں ونی جیسی رسم کی طرف اشارہ بھی کیا اور بتایا کہ بعض معاشروں میں ونی جیسی رسم بھی کم سنی کی شادی کی وجہ بن سکتی ہے۔ بعض دیگر معاملات میں وٹے سٹے کی شادیاں بھی اِس عمل کی بنیاد بنتی ہیں۔ وٹہ سٹہ کی شادی میں خاص طور پر ایک فرد کی پسند ناپسند ہی سب کچھ معرضِ وجود میں لانے کی باعث بنتی ہے۔ وٹہ سٹہ کے عمل میں ایک طرف وہ جوڑا ہے جس کی پسند ناپسند ایک ہے، دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، زندگی کے دُکھ درد میں ساتھ رہنا چاہتے ہیں لیکن مدِ مقابل میں وہ جوڑا ہے جس کی پسند ناپسند میں کوئی میل نہیں، ایک دوسرے کو نہ چاہنے کے باوجود ساتھ رہنے پر مجبور ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نابالغ بچی یا بچے کو اِس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے تو وہاں نبھانے یا ساتھ رہنے کی تمام اُمیدیں ختم ہو جاتی ہیں اور بالآخر معاملہ طلاق پر مُنتج ہوتا ہے۔

شباب کو دوبارہ پلٹانے کی خواہش کی تکمیل:

آج کے مردوں کو یہ خبط بھی سوار ہو چکا ہے کہ وہ کم عمر لڑکی سے شادی کریں گے تو اُن کی جوانی واپس پلٹ آئے گی۔ یا اگر وہ ادھیڑ عمر ہو بھی گئے تو کم عمر بچی کے ساتھ رشتہ کرنے سے اُن کی جوانی کو زنگ نہیں لگ جاتا۔ وہ سدا بہار جوان ہی رہیں گے۔[30] یہ خبط دراصل مردوں کو اُکساتا ہے کہ وہ کم عمر بچی کو بیاہ کر اپنے گھر لائے۔ اس عمل سے ایک طرف میاں بیوی کے درمیان عمر کا تفاوُت ہوگا اور دوسری طرف ذہنی ہم آہنگی سمیت عائلی معاملات غیر منظم ہوں گے۔ ایسا تصور کرنا بھی محال ہوگا کہ ایک کم سن بچی جس کی عمر بمشکل سات سال ہو اور میاں پچاس

کا ہندسہ عبور کر چکا ہو، دونوں میں سماجیانہ عمل کیسے پنپ سکے گا؟ وہ دونوں کیسے ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور خواہشات کو سمجھ سکیں گے۔ خاص طور پر سات سال کی بچی اپنے مدِ مقابل مرد (میاں) کے جذبات کی ترجمانی کر سکے گی نہ ہی احساسات کو سمجھنے کی کیفیت سے گزرے گی۔ وہ رشتہ کہ جس کی بنیاد مقدس مقاصد کی تکمیل کے لئے رکھی جارہی تھی، وہ اب متزلزل ہونے سمیت علیحدگی جیسے ناپسندیدہ عمل سے منتھی ہو جائے گا اور نتیجتاً منظم سماج کا تصور پارہ پارہ ہو جائے گا۔

کم سنی کی شادی کی مختلف شکلیں:

کم سنی کی شادی کی مختلف وجوہات پر اجمالی بات کرنے کے بعد یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں رائج کم سنی کی شادی کی مختلف شکلوں کی نشاندہی بھی کی جائے۔ اگر معاشرتی ساخت اور اُس میں رائج گوناگوں رسومات پر نگاہ ڈالی جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جائے گی کہ اِس معاشرے میں کبھی تو بنتِ حواء کی عزت تار تار کر دی جاتی ہے اور کبھی وہ دو قوموں کی باہمی چپقلشوں اور رنجشوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ یہ تمام مسائل مرد کی اُس اَنا کی چھتری تلے اُمڈ آتے ہیں جس کو سماجیانہ زبان میں غرور، گھمنڈ اور وحشی پن کہا جاتا ہے۔ صنفِ نازک کی یہ بات حقیقی معنوں میں قبول کرنے کی ہے کہ اُس کو آج تک معاشرتی عمل کا نصف بہتر حصہ نہیں سمجھا گیا۔[31] وہ آج بھی مظلومیت کی راہوں پر گامزن ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وحشیانہ عمل کی شکار ہو رہی ہے۔ ماضی کے سانحات اور تاریخی وقائع سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ہم موجودہ زمانے کی طرف دیکھیں تو بہت ساری کہانیاں اور بنتِ حواء کی مظلومیت واضح نظر آئے گی۔ اگر اُن مسائل کی نشاندہی کریں تو دفتر کے دفتر قائم ہو جائیں مگر مسائل کی فہرست ختم نہ ہو جائے۔ لہٰذا ہم مدعی ہیں کہ سماج میں کم سنی کی شادی کی ہر قسم کی شکلیں موجود ہیں اور وہ شکلیں کسی بھی اعتبار سے سماج اور انسانیت کیلئے حوصلہ افزاء نہیں ہیں۔ مشاہدہ کے طور پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کم سنی کی شادی کی اولین شکل ونی ہے۔ یہ عمل کم سنی بچیوں کے لئے خاص طور پر ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک شخص کا غیر شرعی فعل (زنا) ایک کم سنی بچی کیلئے سوہانِ روح بنا ہوتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ونی جیسی عملیات کا فیصلہ باضابطہ ایک جرگہ کرتا ہے جس میں قوم یا قبیلہ کے چیدہ چیدہ افراد شریک ہوتے ہیں۔ گویا غیر قانونی وغیر شرعی جرم کی تکمیل کیلئے ایک گروہ اتفاق کرتا ہے اور بعد ازاں اُس گروہ کی چھتری تلے مذکورہ قبیح الرسم عمل انجام پاتا ہے۔

دوسری شکل وٹہ سٹہ کی شادی ہے یہ بھی رشتہ ازدواج کی مضبوطی کے لئے سب سے بڑی دیوار ہے۔ ایک ایسا سماج جہاں بدلے کی شادی کو قابلِ قبول گردانتے ہوئے باربار دُہرائی جائے، وہاں کم سنی کی شادی کا انعقاد کوئی مشکل اَمر نہیں۔ کہنے کو تو ایک فریق پسند کی شادی جیسے عمل سے مستفیض ہو سکے گا لیکن دوسری طرف ایک شخص خاص طور پر بچی تو ایسی ہوگی جو مذکورہ پسند کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور اپنے ناکردہ گناہوں کی سزاء بھگتے گی۔ یہ عمل خصوصیت کے ساتھ دیہاتوں اور غریب پرور علاقوں میں زیادہ انجام دیا جاتا ہے۔ یا وہ معاشرے جہاں تعلیم و شعور کی حد درجہ کمی ہو وہاں بآسانی اِس قسم کے اُمور ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں کم سنی کی شادی کے علاوہ بعض موارد وہ بھی ہیں جہاں کم سن بچیوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پوری دُنیا بالعموم اور پاکستان وہندوسان بالخصوص میں گذشتہ دو عشرے کے دوران دس سال سے کم عمر کی بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں کے واقعات برابر رونما ہو رہے ہیں۔[32] تاہنوز بنتِ حواء کی دُہائیاں ابن آدم کے کانوں تک پہنچ سکی ہیں اور نہ صدائے احتجاج کی کوئی شنوائی ہوئی ہے۔ ہر سال معصوم بچیاں اخلاق وانسانیت سے عاری افراد کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں اور

ابنِ آدم ہے کہ خواہشِ نفسانی کا اسیر بنتا جارہا ہے۔

کم سنی کی شادی کے عوارض و مفاسد:

کم سنی کی شادی کے عوارض و مفاسد پر تفصیلی بحث ہم متن میں کر چکے ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مذکورہ عمل نہ صرف اِنسانی زندگی میں بہت سارے عوارض و مفاسد کا باعث بنتا ہے بلکہ بعض اوقات ایک ہنستے بستے گھر کو اُجاڑنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ یہاں گھر ہی کیا ایک پورا معاشرہ کو بھی نیست و نابود ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ کم عمری میں کی گئی شادی نفسیاتی اعتبار سے، معاشی اعتبار سے، طبی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے نہ صرف غیر مقبول ہے بلکہ مفاسد و نقصانات کا باعث بھی بنے گا۔ یہ شادی دو انسانوں کو نفسیاتی اعتبار سے نقصان پہنچائے گی اِس نہج سے کہ وہ دونوں ذہنی ہم آہنگی کی کیفیت سے کوسوں دور رہیں گے۔ انسانی نفسیات اِس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ دوانسانوں کے درمیان ہمیشہ افہام و تفہیم کی کیفیت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے مرحلے سے گزریں۔ اگر ذہنی تفاوُت برقرار رہے تو پھر نفسیاتی طور پر وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول نہ کرنے کی صورتِ حال سے گزریں گے اور نتیجتاً دونوں کو نفسیاتی عوارض لاحق ہوں گے۔

اگر کم سنی کی شادی منعقد ہو گئی تو نفسیاتی مسائل کے علاوہ دوسرا بڑا مسئلہ معاش کا ہوگا۔ دو انسان جو ابھی دُنیا کو صحیح سے سمجھنے کی راہ متعین نہیں کر سکے ہیں، وہ عائلی زندگی کو سمجھنے کی صلاحیت قطعاً نہیں رکھ سکتے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ بلوغت اور شعوریت کی منزل طے کرنے والے انسان اپنے بُرے بھلے کو اور زندگی کی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دیتے ہیں۔ ایک بالغ اِنسان جب عائلی نظامِ زندگی میں قدم رکھتا ہے تو وہ دیگر مسائلِ زندگی سے بھرپور آشنائی رکھنے کے علاوہ ذرائع معاش کو بآسانی ڈھونڈ لیتا ہے۔ وہ فکرِ معاش میں جری واقع ہونے کے ساتھ ساتھ متعدد راستے تلاش کرتا ہے اور بالآخر اپنے گھر کی کفالت پوری ذمہ داری کے ساتھ کر لیتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ کم عمری کی شادی ذرائع معاش کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے تو یہ مدعا اس لئے بیان کیا گیا کہ موجودہ زندگی تیز سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے، یہاں جینے کے لئے ہر مشکل دیوار کے سامنے سینہ سپر ہونا پڑتا ہے۔ وہ بچہ یا بچی جس نے ابھی اپنی عمر کے سات سال بھی پورے نہیں کئے ہوں وہ کیسے اپنے معاشی مسائل حل کریں گے، یہ اس عنوان کا سب سے بڑا سوال ہے۔

طبی نقطۂ نظر سے بھی کم سنی کی شادی مفید نہیں ہو سکتی۔ ایک باشعور انسان کے لئے جہاں فکری اعتبار سے پختہ ہونا ضروری ہے وہی جسمانی اعتبار سے بھی قوی ہونا لازمی ہے۔ سات یا آٹھ سال کی بچی یا بچہ قد کاٹھ میں بلوغت کے اعتبار سے نامکمل ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جنسی افعال کی انجام دہی میں انہیں مشکل درپیش آئیں گی۔ وہ نہ تو ذہنی طور پر تیار ہوگا اور نہ ہی جسمانی طور پر جنسی افعال کے لئے تیار ہو سکے گا۔ اگر اِس دوران جبکہ وہ جسمانی بلوغت کی حد کو پھلانگ نہیں سکا ہے، جنسی افعال کی انجام دہی ہوئی تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی اور بعد ازاں یقینی طور پر طبی مسائل درپیش ہوں گے۔

معاشرتی نقطہ نظر سے بھی کم سنی کی شادی غیر منفعت عمل ہو سکتی ہے۔ لڑکا یا لڑکی کی بلوغت کے باوجود رخصتی میں مزید دو چار سال تک انتظار کر لیا جائے تو یہ معاشرتی تقاضے نبھانے کیلئے مفید اور زوجین کیلئے بھرپور زندگی گزارنے کیلئے مناسب ہے۔ تاہم نکاح یا منگنی پہلے کر دینا

اس لئے مناسب ہے تاکہ دونوں کے لئے اپنی خواہشات اور محبت کا ایک مرکز بن جائے۔[33]

خلاصہ کلام:

ہم نے زیرِ بحث عنوان کے تحت کم سنی کی شادی پر مفصل بحث کی اور عصرِ حاضر کے تناظر میں اِس کے عوارض و مفاسد کی طرف اشارہ بھی کیا۔ ہماری نگاہ میں بہترین عائلی نظام کے قیام کے لئے میاں بیوی کا ذہنی و جسمانی اعتبار سے بالغ ہونا ضروری ہے۔ ذہنی بلوغت کا تعین انسان کے فہم و فراست اور فکری باریکیوں کو دیکھ کر کیا جائے گا جبکہ جسمانی بلوغت کا تعین شرع کی طرف سے وضع کردہ علامات اور عمر کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ ہم نے متن میں اِن تمام موارد کو تفصیلاً ذکر کیا ہے اور بحث کرتے ہوئے نشاندہی کی ہے کہ میاں بیوی کی بلوغت کے علاوہ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ذہنی ہم آہنگی کا ہونا وہاں ممکن ہے جہاں میاں بیوی دونوں سمجھداری کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقے سیکھ جائیں۔ کم عمری اور کم سنی کے حامل افراد اگرچہ شرعی اعتبار سے نکاح جیسے مذہبی و قدرتی فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں لیکن رُخصتی کا تعلق بلوغت سے منتھی کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہماری بحث کے نتیجے میں یہ آشکار ہوا کہ دو شخصیات تبھی پُر سکون زندگی گزار سکتی ہیں جب دونوں زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کے علاوہ ایک دوسرے کی شخصی صفات کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھیں۔ شخصی ادراک کے لئے ضروری ہے کہ معاشرتی نمو اور رسم و رواج کو مدِ نگاہ رکھا جائے۔ جو بھی اِنسان فہم و فراست اور ادراک کا حامل نہیں ہو تا وہ معاشرتی مسائل کا حل تلاش نہیں کر سکتا۔ ہم نے قرار دیا کہ کم عمری کی شادی کے شکار افراد فہم و فراست اور گہرے ادراک سے عاری ہونے کے ساتھ سماجیانہ عمل سے بھی پَرے رہتے ہیں۔ وہ عائلی معاملات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں ساتھ ہی میاں بیوی میں ذہنی ہم آہنگی کا فقدان رہتا ہے۔ ایسی صورت حال میں ایک بہترین عائلی نظام کا قیام شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا عائلی نظامِ زندگی کی مضبوطی کے لئے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے افراد کا بالغ ہونا از حد ضروری ہے۔ کم سنی کی شادی معاشرتی رسم و رواج کی ایک غلط شبیہ تو قرار دی جا سکتی ہے لیکن شرعی و قانونی اعتبار سے اِس کو قبولیت کا درجہ عطاء کرنا خلافِ عقل اور مستحکم سماج کی نفی ہو گا۔

حوالہ جات

---

[1] ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبد اللہ بن محمد، مُصنف ابنِ ابی شیبہ، ج5، رقم: 16265، 16266، مترجم: محمد اویس سرور، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 2014ء، ص52

[2] بھٹہ، میاں مسعود احمد، حیاتُ النساء، (عورت کی زندگی) مناکحات، (لاہور، آہن ادارہ اشاعت و تحقیق، 2010ء بمطابق 1431ھ، ص159

[3] فتحپوری، نیاز، ترغیباتِ جنسی یا شہوانیات، لاہور، آواز اشاعت گھر، س ن، ص17

[4] مختار الدین، سید، جواہر الاسلام، کتاب النکاح، لاہور، دارُ الایمان، 2013ء، ص93

[5] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتابُ المغازی، باب غزوۃ الخندق، ہند، مرکزی جمعیت اہلحدیث، 2004ء، ج5، ص421

[6] راجا، ظفر علی، پسند کی شادی اِسلام اور قانون، لاہور، ادارۂ قومی مصنفین پاکستان، 1997ء، ص33

[7] التبریزی، ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری، مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ النکاح، بابُ الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ، بیروت، المکتب الاسلامی، 1399ھ، ج2، ص939

[8] البانی، ناصر الدین، کتاب النکاح، تالیف و تخریج: حافظ عمران ایوب، لاہوری، فقہ الحدیث پبلیکیشنز، لاہور، 2006ء، ص56

[9] جاوید، پروفیسر ارشد، رہنمائے نوجوانی، سیکس ایجوکیشن ... سب کے لئے، بیسٹ بکس پبلی کیشنز، لاہور، 2013ء، ص30

[10] البیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین، الجامع لشعب الایمان، باب: فی حقوق الاولاد والاھلین، مکتبۃ الرُشد، الریاض، 1423ھ، ج11، ص139

[11] بیگم صاحبہ، نواب شاہجہان، تہذیب النسواں وتربیت الانسان، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1970ء، ص224

[12] ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، مترجم: مولانا محمد جوناگڑھی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2006ء، ج4، ص523

[13] سورۃ الطلاق، 4

[14] ہندی، علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العُمال فی سنن الاقوال والافعال، دارُ الاشاعت، کراچی، 2009ء، ج7، ص316

[15] شافعی، محمد بن ادریس، الامُ، باب: نکاح البکر، دارُ الوفاء للطباعۃ والنشر والتوزیع، مصر، 1422ھ، ج10، ص141

[16] القرضاوی، اسلام میں حلال وحرام، مترجم: شمس پیر زادہ، دارُ الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، لاہور، 2013ء، ص221

[17] عابدی، محمد تقی علی، اسلام اور جنسیات، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ، 1994ء، ص26

[18] استنبولی، محمود مہدی، تحفۃ العروس، مترجم: مختار احمد ندوی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2010ء ص19

[19] جلالپوری، علی عباس، جنسیاتی مطالعے، تخلیقات، لاہور، 1999ء، ص15

[20] مظاہری، علی اکبر، جوان اور شریک حیات کا انتخاب، مترجم: نثار احمد زین پوری، انصاریان پبلی کیشنز، قم، ایران، 1429ھ، ص51-52

[21] لاہوری، مبشر حسین، ہدیۃ العروس، مبشر اکیڈمی، لاہور، 2003ء، ص29

[22] ابن اثیر، ابی الحسن بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دارُ الکتب العلمیۃ، بیروت، 1407ھ، ج1، ص30

[23] شائق، احسان اللہ، فقہُ الزوج۔ ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل اور انکا حل، دارُ الاشاعت، کراچی 2011ء، ص60-61

[24] لیلیٰ احمد، عورت۔ جنسی تفریق اور اسلام، مشعل بکس، لاہور 1995ء، ص29-30

[25] اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ (سورۃ النساء، 34) مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضلیت دی ہے۔ نیز اس بناء پر بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کی عدم موجودگی میں، اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

[26] بینرجی، پاولا، امن کی سیاست میں خواتین کا کردار، مشعل بکس، لاہور، 2013ء، ص104

[27] اصلاحی، سلطان احمد، اسلام کا نظریہ جنس، الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، لاہور، 2007ء، ص90

[28] سورۃ النساء، 4

[29] فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم: عبدالحئی خواجہ، المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2008ء، ص173، 209، 284، 446

[30] ارشد جاوید، پروفیسر، رہنمائے نوجوانی: سیکس ایجوکیشن ... سب کے لئے، (محولہ بالا)، ص66

[31] مرنیسی، فاطمہ، حجاب سے آگے، اسلام میں عورت کا مقام، مترجم: محمد ارشد رازی، مشعل بکس، لاہور، 2001ء، ص80-81،

[32] شاہ بخاری، محمد صدیق، رواداری اور مغرب، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، 2000ء، ص209

[33] البانی، کتاب النکاح، (محولہ بالا)، ص54-55